DARUL IFTAA
MAHMUDIYYAH
35 Candella Rd, Sherwood, Durban, 4091, South Africa
Email: admin@daruliftaa.net Tel: 031 207 5772 Fax: 086-692 7275

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمہ تعالی

محترم المقام قابل احترام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بروز منگل ۷ رصفر ۱۴۳۸ھ بمطابق ۱۰ رنومبر ۲۰۱۶ء کو حکومتِ ہند نے یہ اعلان کیا: ''۱۰۰۰ / ۵۰۰ سو کے کاغذی نوٹ منسوخ ہو گئے ہیں اس کی مالیت اب کچھ نہیں ہے، ان نوٹوں کو زرِ قانونی (Legal Tender) اب نہیں سمجھا جائے، ان کی حیثیت محض ایک کاغذ کے ٹکڑے کی ہے۔''

جو حضرات حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں ان کی جانب سے یہ پرانے نوٹ ماذون مقدار میں بنکوں میں جمع کرائے جائیں تو اس کے عوض نئے نوٹ مل جائیں گے، اگر جمع کردہ نوٹ ماذون مقدار سے زائد ہوں تو حکومت کے نزدیک یہ غیر قانونی روپے ہیں، جن کو ضبط کرنے کا انہیں پورا اختیار ہے، حکومت نے عمومی طور پر پرانے نوٹ کی تبدیلی کے لئے پچاس روز کی مہلت دی ہے اب ان نوٹوں کا کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ شروع ہوا، کچھ لوگ کم قیمت میں ان کو فروخت کر رہے ہیں اس لئے کہ حکومت کو دینے میں یہ اندیشہ ہے کہ ان کے نوٹ حکومت ضبط کر لیں اور ان کا پورا سرمایہ ضائع ہو جائیں، مزید جرمانہ عائد کئے جانے کے علاوہ عزت کی پامالی وغیرہ بہت سے خطرات ہیں، دوسری جانب پرانے نوٹوں کے لینے والے وہ حضرات ہیں جو بڑے پیمانہ پر حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ان کے پاس نقد رقم کی ماذون مقدار میں گنجائش ہے وہ زائد قیمت پر یہ نوٹ حاصل کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ان پرانی نوٹوں کا نئی نوٹوں کے عوض تفاوت کے ساتھ تبادلہ شرعا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں یہاں کے علماء کے دو رجحان پائے جاتے ہیں۔

ایک رجحان تو یہ ہے کہ یہ ناجائز ہونا چاہئے۔

۱) اس لئے کہ حکومت نے ۵۰ دن تک تبدیلی کا وعدہ کیا ہے، لہذا مکمل ثمنیت ختم نہیں ہوئی، نیز اسی لئے اس میں لوگوں کی رغبت اب بھی باقی ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے بعض لوگ کوشاں ہیں۔

۲) موجودہ صورت حال کے بالکل موافق برما میں جب ایسے حالات پیش آئے تو اس کے متعلق فتاوی عثمانی صفحہ: ۱۴۶ جلد نمبر ۳ میں عدمِ جواز کا فتوی دیا گیا۔

دوسرا رجحان جواز کا ہے۔

۱) ان حضرات کا کہنا ہے کہ حکومت کی جانب سے مذکورہ اعلان ان نوٹوں کی ثمنیت ختم ہونے میں نہایت ہی صریح ہے، اس کے بعد ان کے کساد میں شبہ کرنا بے جا ہے، اس کی تائید اس بات س بھی ہوتی ہے کہ عام بازاروں میں نیز تجار کے مابین یہ نوٹ غیر مقبول ہو چکے ہیں، بنیادی ضروریات کی خریداری کے لئے ان کا استعمال ختم ہو چکا ہے،

۲) بقاء ثمنیت پر جو شبہ ہوتا ہے اس کی وضاحت کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ جن نوٹوں کی تبدیلی کا وعدہ حکومت نے کیا ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا وعدہ ہے جو دیگر قوانین کے تحت مقید ہے، بالفاظِ دیگر جن نوٹوں کا وجود لوگوں کے پاس ماذون مقدار میں ہے اور قانوناً دائرۂ جواز میں آتے ہیں انہی نوٹوں کو تبدیل کیا جائگا، حکومت کا وعدہ اس کے ساتھ مخصوص ہے عام نہیں۔

۳) امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جن کے تمام سرمایہ کے ضیاع کا اندیشہ ہے، یہ صورت اختیار کرنے میں بعض سرمایہ کی حفاظت یقینی ہے۔

۴) ان کاغذی نوٹوں میں ربوا کا تحقق ان میں ثمنیت کی بنا پر ہے، ورنہ فی نفسہ ان کی کوئی خاص قیمت نہیں اور نہ ان میں ربوا کی علت ''قدر'' پائی جاتی ہے، چنانچہ مفتی نظام الدین صاحب منتخبات نظام الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں ''ان کاغذی سکون (نوٹوں) میں اتحاد جنس تو ہوتا ہے، کیونکہ کاغذ سب ایک جنس کے ہیں مگر قدر میں اتحاد نہیں ہوتا ہے، کیونکہ قدر کے معنی کیلی یا وزنی ہوتا ہے اور نوٹ نہ تو کیل کئے جاتے ہیں اور نہ وزن کئے جاتے ہیں اس لئے یہ نوٹ بجائے کیلی یا وزنی ہونے کے شرعا عددی شمار ہونگے، اس صورت میں ضابطہ شرعیہ مذکورہ کی وجہ سے نقد تبادلہ کرنے میں زیادتی و کمی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز رہے گا، ربائے شرعی کا تحقق لازم نہ آوے گا، البتہ نسیہ (ادھار) تبادلہ کرنا ناجائز و ممنوع رہے گا۔

۵) ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے نقد رقم رکھنے کی اجازت کے حصول کے لئے کافی مشقت و خرچ کا تحمل ناگزیر ہے، جس میں بڑے پیمانہ پر کاغذی کارروائیاں کی جاتی ہیں، اسی طرح حکومت کو وافر مقدار میں ٹیکس بھی ادا کیا جاتا ہے، نیز پرانے نوٹوں کو حکومت کے اداروں یا بنکوں سے نئے نوٹوں میں تبدیل کروایا جاتا ہے وغیرہ، پس زائد رقم کو ان خدمات و خرچ کا معاوضہ قرار دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان ہنگامی حالات میں شرعی مسلہ کی رہنمائی فرمائے،

مستفتی

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته

الجواب وبالله التوفيق

ربا کے تحقق کے لئے تبادلہ میں قدر اور جنس کا پایا جانا ضروری ہیں، قدر کا مطلب بدل کا کیلی یا موزونی ہونا۔[i]

ایک نوع کے ثمن عرفی کے تبادلے میں ربا متحقق نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں صرف جنس پایا جاتا ہے، قدر نہیں پایا جاتا۔ روپیہ عددی ہے. لہذا اصول کے مطابق تفاضل جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں قبضہ ہو اسلئے کہ ایک نوع کے ثمن کے تبادلے میں ادھار (نسا) ناجائز ہے۔ عام حالات میں ایک نوع کے ثمن عرفی میں تفاضل یعنی کمی بیشی جائز نہیں ہے اور عدم جواز کا فتوی "سد الباب الربا" دیا جاتا ہے۔[ii]

مزید یہ کہ ثمن عرفی فلوس کے حکم میں ہے، شیخین کے نزدیک فلوس میں تفاضل جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔[iii]

مسئلہ ثمنیت کے بقاء اور ختم ہونے کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ ثمنیت کے **رواج** کا ہے۔ روپیہ کی ثمنیت کا مدار **عرف** ہے۔ جب پبلک میں پانچ سو اور ہزار روپے کی نوٹوں کا عام رواج ختم ہو گیا تو اب ثمن عرفی بھی باقی نہیں رہا۔ ثمنیت کے رواج میں پبلک کا حکومت کے ساتھ معاہدہ ہے، حکومت کا ثمنیت کو یک طرفہ ختم کر دینا معاہدہ کے خلاف ہے۔ لہذا موجودہ حالت میں پبلک اپنے روپیے کی ثمنیت کو حتی الامکان بچانے کے خاطر کم رقم میں فروخت کر سکتی ہے اور وقتی ضرورت کی بناء پر شیخین کے قول پر عمل کی گنجائش ہے اور تفاضل جائز ہوگا[iv]۔ اس میں حیلہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پبلک کو کم رقم کی تلافی کیلئے کوئی چیز مثلا پن وغیرہ شامل کرنی کا حیلہ نہ بتایا جائے۔ اسمیں اندیشہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو عام حالات میں جارے رکھینگے۔

نیز موجودہ حالت میں عدم جواز کی علت "سد الباب الربا" بھی نہیں پائی جاتی بلکہ اب الٹا "ظلم" کی علت پائی جاتی ہے۔ ان روپیے کے مالکان اپنے روپیے کی ثمنیت کو حتی الاکان بچانے کے خاطر اور دفع ظلم کے لئے مناسب تدبیر اختیار کر سکتے ہیں۔

مزید یہ کہ پبلک میں ثمنیت کا رواج ختم ہو گیا اب نوٹ مبیع بن گیا ثمن نہیں رہا لہذا جانبین میں قبضہ کی بھی ضرورت نہیں ہے، رقم کی تعیین کافی ہے۔ موجودہ حالات میں تقابض خطرے سے خالی بھی نہیں۔

عوام کو بتا دیا جائے کہ فتوی وقتی ضرورت کے خاطر ہے عام حالات کے لئے نہیں ہے، ہزار اور پانچ سو کی نوٹ تک محدود ہے، بقیہ نوٹوں میں تفاضل جائز نہیں۔

- مسئلہ مذکورہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور فقہی مشکل کا ایک علمی حل ہے، بقیہ مشورۃ یہ بھی عرض ہے کہ قانون کے خلاف ورزی میں اپنے آپکو ذلت میں نہ ڈالے جیسا مندرجہ ذیل حدیث میں ہیں: "لا ينبغي لمسلم أن يذل نفسه"

ترجمہ: مسلمان کیلئے مناسب نہیں کے اپنے آپکو ذلت میں ڈالے۔ مسند أحمد ط الرسالة (38/ 435)

والله أعلم

(مفتی) ابراهیم دیسائی

دارالافتاء محمودیہ

۱۷ صفر ۱۴۳۸ھ

18th November, 2016

i

(5/ 183) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية

(أما) ربا الفضل فهو: زيادة عين مال شرطت في عقد البيع على المعيار الشرعي، وهو الكيل، أو الوزن في الجنس عندنا وعند الشافعي هو: زيادة مطلقة في المطعوم خاصة عند اتحاد الجنس خاصة.

(وأما) ربا النساء فهو فضل الحلول على الأجل، وفضل العين على الدين في المكيلين، أو الموزونين عند اختلاف الجنس، أو في غير المكيلين، أو الموزونين عند اتحاد الجنس عندنا وعند الشافعي – رحمه الله – هو فضل الحلول على الأجل في المطعومات، والأثمان خاصة، والله تعالى أعلم.

(5/ 185) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية

ويجوز بيع المذروعات، والمعدودات المتفاوتة، واحدا باثنين يدا بيد كبيع ثوب بثوبين، وعبد بعبدين، وشاة بشاتين، ونصل بنصلين، ونحو ذلك بالإجماع، أما عندنا فلانعدام أحد الوصفين، وهو الكيل، والوزن، وعنده لانعدام الطعم، والثمنية.

(7/ 169)المحيط البرهاني في الفقه النعماني للبخاري برهان الدين، إبن مَازَةَ الحنفي (ت: 616 هـ) – دار الكتب العلمية

الصرف اسم لنوع وهو مبادلة الأثمان بعضها ببعض، إما مبادلة الذهب أو مبادلة الفضة بالفضة أو مبادلة أحد الجنسين بصاحبه مفرداً كان أو مجموعاً مع غيره هذا هو لفظ «القدوري» ، وقوله: أو مجموعاً مع غيره يريد به مثلاً إذا باع ثوباً وذهباً بفضة، فحصة الذهب صرف؛ لأنه يقابله ثمن وحصة الثوب بيع.

(7/ 173)المحيط البرهاني في الفقه النعماني للبخاري برهان الدين، إبن مَازَةَ الحنفي (ت: 616 هـ) – دار الكتب العلمية

فإذا اشترى ديناراً بدراهم وليس عند هذا دينار ولا عند هذا دراهم فنقد أحدهما وتفرقا لم يجز؛ لأن هذا صرف، وفي الصرف يشترط قبض البدلين قبل التفرق، ولو باع تبر فضة بفلوس بغير أعيانها وتفرقا قبل أن يتقابضا فهو جائز؛ لأن الدين هاهنا بمنزلة العروض، فكأنه باع عرضاً بفلوس بغير أعيانها، وهناك لا يشترط التقابض كذا هاهنا ولم يكن الدين عنده لم يجز بمنزلة ما لو باع عرضاً ليس عنده بفلوس، وإذا اشترى شيئاً بدين وهما يعلمان أنه لا دين عليه لا يجوز الشراء، ويكون هذا بمنزلة ما لو اشترى بغير ثمن؛ لأنه سمى ما لا يصير ثمناً، ولو اشترى بدين مظنون ثم تصادقا على أنه لا دين فالشراء صحيح بمثل ذلك الدين.

(5/١٠٣١٩/٢٩٠) سنن البيهقي، كتاب البيوع، باب ما جاء في النهي عن بيع الدين 1لدين– الباز

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنا أبو سعيد عمرو بن محمد بن منصور العدل ثنا محمد بن عبيد الخزاز ثنا عبيد الله بن موسى أنا موسى بن عبيدة الربذي عن عبد الله بن دينار عن بن عمر قال: نهى رسول الله صلى الله عليه و سلم عن كالئ بكالئ الدين 1لدين

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية (5/ 236)

وكذا إذا تبايعا درهما بعينه أو دينارا بعينه بفلوس بأعيانها فإنها لا تتعين أيضا كما لا تتعين الدراهم والدنانير لما قلنا، إلا أن القبض في المجلس ههنا شرط بقاء العقد على الصحة حتى لو افترقا من غير تقابض أصلا يبطل العقد لحصول الافتراق عن دين بدين، ولو لم يوجد القبض إلا من أحد الجانبين دون الآخر فافترقا مضى العقد على الصحة؛ لأن المقبوض صار عينا بالقبض فكان افتراقا عن عين بدين، وأنه جائز إذا لم يتضمن ربا النساء، ولم يتضمن ههنا لانعدام القدر المتفق والجنس

(14/ 24)المبسوط لشمس الأئمة السرخسي محمد بن أحمد (ت: 483 هـ) – دار المعرفة

وبيع الفلوس بالدراهم ليس بصرف

المحيط البرهاني في الفقه النعماني للبخاري برهان الدين، إبن مَازَةَ الحنفي (ت: 616 هـ) – دار الكتب العلمية (6/ 321)

وكذلك إذا كان عليه فلوس أو طعام فاشترى ما عليه بدراهم حتى لم يكن العقد صرفاً

ii

تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي لعثمان بن علي، فخر الدين الزيلعي (ت: 743 هـ) – المطبعة الكبرى الأميرية (4/ 90)

(وَالْفَلْسُ بِالْفَلْسَيْنِ بِأَعْيَانِهِمَا) أَيْ الْبَدَلَانِ بِأَعْيَانِهِمَا بِأَنْ كَانَ الْفَلْسُ مُعَيَّنًا وَالْفَلْسَانِ مُعَيَّنَيْنِ وَهَذَا عِنْدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْفُلُوسَ الرَّائِجَةَ أَثْمَانٌ وَالثَّمَنُ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلِهَذَا إذَا قَابَلَ الْفُلُوسَ بِخِلَافِ جِنْسِهَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ يُعْطِيَ غَيْرَهَا وَلَا يَفْسُدُ الْبَيْعُ بِهَلَاكِهَا وَهَذَا؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِ الْكُلِّ فَلَا تَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَإِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا أَوْ يَحْتَمِلُهُ بِأَنْ يَأْخُذَ بَائِعُ الْفَلْسِ الْفَلْسَيْنِ أَوَّلًا فَيَرُدَّ أَحَدَهُمَا قَضَاءً بِدَيْنِهِ وَيَأْخُذَ الْآخَرَ بِغَيْرِ عِوَضٍ أَوْ يَأْخُذ بَائِعُ الْفَلْسَيْنِ الْفَلْسَ أَوَّلًا، ثُمَّ يَضُمَّ إلَيْهِ فَلْسًا آخَرَ فَيَرُدَّهُمَا عَلَيْهِ فَيَرْجِعُ إلَيْهِ فَلْسُهُ مَعَ فَلْسٍ آخَرَ بِغَيْرِ عِوَضٍ يُقَابِلُهُ وَهُوَ رِبًا فَصَارَ كَمَا لَوْ كَانَ بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا أَوْ أَحَدُهُمَا بِعَيْنِهِ وَالْآخَرُ بِغَيْرِ عَيْنِهِ وَلَهُمَا أَنَّ الْفُلُوسَ لَيْسَتْ بِأَثْمَانٍ خِلْقَةً وَإِنَّمَا كَانَ ثَمَنًا بِالِاصْطِلَاحِ وَقَدْ اصْطَلَحَا بِإِبْطَالِ الثَّمَنِيَّةِ فَتَبْطُلُ وَإِنْ كَانَتْ ثَمَنًا عِنْدَ غَيْرِهِمَا مِنْ النَّاسِ لِبَقَاءِ اصْطِلَاحِهِمْ عَلَى ثَمَنِيَّتِهَا وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَلَا يَلْزَمُهُمَا اصْطِلَاحُهُمْ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ؛ لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَلَا تَبْطُلُ بِالِاصْطِلَاحِ فَإِذَا بَطَلَتْ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا.

(6/ 322)المحيط البرهاني في الفقه النعماني للبخاري برهان الدين، إبن مَازَةَ الحنفي (ت: 616 هـ) –ط. دار الكتب العلمية

وإذا باع فلساً بفلسين حالة الرواج، فهذه المسألة على ثلاثة أوجه: (3أ46)

أحدها: أن يبيع فلساً بغير عينه بفلسين بغير أعيانهما، وفي هذا الوجه البيع فاسد لوجهين:

أحدهما: أن هذا بيع الدين بالدين.

والثاني: أن الجنس بانفراده محرِّم للنساء عندنا على ما يأتي بيانه في موضعه إن شاء الله تعالى.

الوجه الثاني: إذا باع فلساً بعينه بفلسين بأعيانهما وفي هذا الوجه البيع جائز في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يجوز.

وجه قوله: أن الفلوس أثمان حتى لا يتعين بالتعيين وبيع الأثمان واحداً باثنين لا يجوز كبيع الدراهم والدنانير واحداً باثنين، ولأبي حنيفة وأبي يوسف: أن ثمنية الفلوس إنما تثبت باصطلاح الناس، فإذا عيناه فقد أبطلا جهة الثمنية فعادت سلعة كما كانت فيجوز البيع متساوياً متفاضلاً.

فإن قيل: الثمنية تثبت باصطلاح الكل، فلا يبطل باصطلاحهما على خلاف ذلك.

قلنا: الثمنية في حقهما يثبت باصطلاح غيرهما عليهما، وإن قلنا: إن الثمنية لا تبطل إلا أن ربا النقد إنما يجري بالجنس والقدر وهو الكيل أو الوزن وههنا إن وجد الجنس لم يوجد القدر، أما الكيل فظاهر.

وأما الوزن؛ فلأن الناس تعارفوا بيع الفلوس عدداً لا وزناً، ولهذا قلنا: إذا باع فلساً بعينه وأحدهما أثقل من الآخر وزناً إنه يجوز، ولو كان موزوناً لكان لا يجوز كما إذا باع درهماً بدرهم أثقل من الآخر وزناً وههنا لما جاز علمنا أن الوزن ساقط الاعتبار في الفلوس فلم يوجد إلا لجنس فلا يجري الربا.

(170/1) بحوث في قضايا فقهية معاصرة للمفتي تقي–ط.مكتبة دار العلوم كراتشي 1431هـ

ولكن جواز النسيئة في تبادل العملات المختلفة يمكن أن يتخذ حيلة لأكل الر1 ،فمثلا إذا أراد المقرض أن يطالب بعشر ر بيات على المئة المقرضة، فإنه يبيع مئة ربية نسيئة بمقدار من الدولارات التي تساوي مئة وعشر ربيات. وسدا لهذا الباب، فإنه ينبغي أن يقيد جواز النسيئة في بيع العملات أن يقع على سعر السوق السائد عند العقد.

المبسوط لشمس الأئمة السرخسي محمد بن أحمد (ت: 483 هـ) –ط. دار المعرفة (12/ 166)

والقدر لا يصير معلوما إلا بالعد إلا أنه لا يجري فيه الربا لأنه صار عدديا باصطلاح الناس لا بجعل الشرع أمثالا متساوية فإذا باع جوزة بجوزتين فقد أعرضا عن ذلك الاصطلاح وما ثبت باصطلاح الناس يبطل باصطلاحهم أيضا بخلاف المكيل والموزون

ص573 فتاوی رشیدیہ-مکتبہ رحمانیہ

فلوس عددی ہیں، اگر اپنی مثل سے مبادلہ کیا جاوے تو درست ہے کیونکہ اتحاد جنس ہے، مگر کیل وزن نہیں تو تفاظل سب درست ہے مگر نسیئہ حرام ہے، اور یہ مذہب شیخین کا ہے اور یہ قوی ہے-

نوٹ: فتوی امام محمد کے قول پر دیا گیا سدّا لباب الربا اور تفاضل کو فقہاء معاصرین نے حرام قرار دیا ہے لیکن بقوت ضرورت جیسے وقت ہذا شیخین کے قول سے سہارا لیتے ہوئے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے

نقل د.لؤي الخليلي في كتابه (أسباب عدول الحنفية عن الفتبيا تظاهر الرواية) عبارات الفقهاء فى الإفتاء على الأيسر والأرفق عند الضرورة والحاجة ونقلت نبذا منها ما تلي:

–قال ابن عابدين (قال في شرح المنية: المعلوم من قواعد أئمتنا التسهيل في مواضع الضرورة والبلوى العامة)

–وقال أيضا (على أن المفتي ليس له الجمود على المنقول في كتب ظاهر الرواية من غير مراعاة الزمان وأهله وإلا يضيع حقوقا كثيرة ...)

–قال الإمام الغزنوي في اخر الحاوي القدسي:(ومتى كان قول أبي يوسف ومحمد يوافق قول أبي حنيفة لا يتعدى عنه إلا فيما مست إليه الضرورة وعلم أنه لو كان أبو حنيفة رأى ما رأوا لأفتى به)

–قال الإمام السرخسي (ما كان أرفق بالناس فالأخذ به أولى لإن الحرج مدفوع) انتهى.

وقاعدة الفقه مقررة أن المشقة تجلب التيسير

iii

(ص:355) معجم المصطلحات المالية والإقتصادية في لغة الفقهاء للدكتور نزية حماد–ط.دار القلم

الفلوس لغة جمع فلس وهو فيها وفي الاستعمال الفقهي ما ضرب من المعادن من غير الذهب والفضة سكة وصار نقدا في التعامل عرفا وثمنا باصطلاح الناس.

والفلوس في النظر الفقهي نقد بالاصطلاح لا بالخلقة لأن قيمتها ليست ذاتية كالمسكوكات من الدنانير الذهبية والدراهم الفضية بل هي مفترض مصطلح عليها في العرف وتعامل الناس.

(165/1) بحوث في قضايا فقهية معاصرة للمفتي تقي–ط.مكتبة دار العلوم كراتشي 1431هـ

وحاصل هذا الموقف الثالث أن النقود الورقية في حكم الفلوس النافقة وتجري عليها أحكام الفلوس على مذهب الإمام محمد رحمه الله فالتفاضل في بيعها بجنسها ربا ولكن لا يجب فيها التقابض سواء بيعت بجنسها أو بخلاف جنسها....

أما النقود الورقية فانها صارت أثمانا بالاصطلاح فيمكن في أي حين أن تبطل ثمنيتها بمحض إصدار حكم من الحكومة أنها لم تعد عملة قانونية. ومن هذه الجهة فأنها أشبه بالفلوس منها بالدراهم الفضية أو الدنانير الذهبية.ولكن لو أجرينا عليها أحكام الفلوس على مذهب الشافعية والحنابلة أو على مذهب أبي يوسف ومحمد رحمهم الله لانفتح باب الربا بمصاريعه....

(1 /١٤٥) بحوث في قضايا فقهية معاصرة للمفتي تقي–ط.مكتبة دار العلوم كراتشي 1431هـ

هذه الأوراق قد أصبحت اليوم أثمانا عرفية بنفسها فدفعها دفع للمال أو للثمن وليس حوالة للدين فتتأدى بأدائها الزكاة ويجوز شراء الذهب والفضة بها

(1 / 166) بحوث في قضايا فقهية معاصرة للمفتي تقي–ط.مكتبة دار العلوم كراتشي 1431هـ

ولما كانت عملات الدول أجناسا مختلفة جاز بيعها 1لتفاضل 1لإجماع

المرجع السابق

(احسن الفتاوی، کتاب البیوع: / ؛سعید)
iv

(ص:130)اسلام اور جدید معیشت و تجارت مفتی تقی-مکتبہ معارف القران1414ھ

4- صحیح نقطۂ نظریہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں بلکہ ثمن عرفی ہیں،ان کا حکم وہی ہوگا جو فلوس کا ہوتا ہے...

(58/3)قاموس الفقہ مفتی خالد سیف اللہ-زمزم پبلشرز

دوسری صورت "اصطلاح"یعنی باہمی اتفاق ہے "اصطلاح" سے مراد لوگوں کا کسی چیز پر اتفاق کرلینا ہے "فلوس نافقہ "کو اس بناء پر ثمن تصور کیا جاتا ہے-...

ان تفصیلات کی روشنی میں راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت فی زمانہ اصطلاحی ثمن کی ہوگئی ہے اور آج عرف کے لحاظ سے اس میں گنجائش نہیں ہے....

(3 /63) الهداية للمرغيناني علي بن أبي بكر (ت: 593 هـ) – دار احياء التراث العربي

قال: "ويجوز بيع الفلس بالفلسين بأعيانهما" عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: لا يجوز لأن الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما، وإذا بقيت أثمانا لا تتعين فصار كما إذا كانا بغير أعيانهما وكبيع الدرهم بالدرهمين. ولهما أن الثمنية في حقهما تثبت باصطلاحهما إذ لا ولاية للغير عليهما فتبطل باصطلاحهما وإذا بطلت الثمنية تتعين بالتعيين ولا يعود وزنيا لبقاء الاصطلاح على العد إذ في نقضه في حق العد فساد العقد فصار كالجوزة بالجوزتين بخلاف النقود لأنها للثمنية خلقة، وبخلاف ما إذا كانا بغير أعيانهما لأنه كالئ بالكالئ وقد نهي عنه، وبخلاف ما إذا كان أحدهما بغير عينه لأن الجنس بانفراده يحرم النساء.

(12/ 136)المبسوط لشمس الأئمة السرخسي محمد بن أحمد (ت: 483 هـ) – دار المعرفة

قال: (ولا بأس بالسلم في الفلوس عددا لأنه عددي متقارب أو هي أمثال متساوية قطعا ما دامت متساوية رائجة لسقوط قيمة الجودة منها باصطلاح الناس) وذكر أبو الليث الخوارزم عن محمد أنه لا يجوز السلم في الفلوس لأنها ثمن ما دامت رائجة والمسلم فيه مبيع فما ثمن لا يجوز أن يكون مسلما فيه كالذهب والفضة وبعد الكساد هي قطع صغار موزونة فلا يجوز السلم فيها عددا ولكن ما ذكره في الكتاب أصح لأن صفة الثمنية في الفلوس عارضة باصطلاح الناس والمتعاقدان أعرض عن هذا الاصطلاح حين عقد السلم وما أعرض على الاصطلاح على كونه عدديا ولكن ليس من ضرورة خروجه في حقهما من أن يكون ثمنا خروجه من أن يكون عدديا كالجوز والبيض فأما الذهب والفضة ثمن بأصل الخلقة فلا ينعدم ذلك بجعلهما إياه مبيعا ألا ترى أن الفلوس تروج تارة وتكسد أخرى وتروج في ثمن الخسيس من الأشياء دون النفيس بخلاف النقود

(5/ 185)بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية

ويجوز بيع المعدودات المتقاربة من غير المطعومات بجنسها متفاضلا عند أبي حنيفة، وأبي يوسف بعد أن يكون يدا بيد كبيع الفلس بالفلسين بأعيانهما، وعند محمد لا يجوز.

(وجه) قوله: إن الفلوس أثمان فلا يجوز بيعها بجنسها متفاضلا كالدراهم، والدنانير، ودلالة الوصف عبارة عما تقدر به مالية الأعيان، ومالية الأعيان كما تقدر بالدراهم، والدنانير تقدر بالفلوس فكانت أثمانا؛ ولهذا كانت أثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها بجنسها حالة المساواة، وإن كانت ثمنا فالثمن لا يتعين، وإن عين كالدراهم، والدنانير فالتحق التعين فيهما بالعدم فكان بيع الفلس بالفلسين بغير أعيانهما، وذا لا يجوز؛ ولأنها إذا كانت أثمانا فالواحد يقابل الواحد فبقي الآخر فضل مال لا يقابله عوض في عقد المعاوضة، وهذا تفسير الربا.

(ولهما) أن علة ربا الفضل هي القدر مع الجنس، وهو الكيل، أو الوزن المتفق عند اتحاد الجنس، والمجانسة إن وجدت ههنا فلم يوجد القدر فلا يتحقق الربا، وقوله: الفلوس أثمان قلنا: ثمنيتها قد بطلت في حقهما قبل البيع، فالبيع صادفها، وهي سلع عددية فيجوز بيع الواحد بالاثنين كسائر السلع العددية كالقماقم العددية، وغيرها إلا أنها بقيت أثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها، وبجنسها حالة المساواة؛ لأن خروجها عن، وصف الثمنية كان لضرورة صحة العقد، وجوازه؛ لأنهما قصدا الصحة، ولا صحة إلا بما قلنا، ولا ضرورة ثمة؛ لأن البيع جائز في الحالين بقيت على صفة الثمنية، أو خرجت عنها.

(5/ 208)بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية

(وأما) السلم في الفلوس عددا فجائز عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وعند محمد لا يجوز بناء على أن الفلوس أثمان عنده فلا يجوز السلم فيها، كما لا يجوز السلم في الدراهم والدنانير، وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة بل تحتمل الزوال؛ لأنها ثبتت بالاصطلاح فتزول بالاصطلاح

(6/ 59)بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للكاساني علاء الدين، أبي بكر بن مسعود بن أحمد (ت: 587 هـ) – دار الكتب العلمية

والكلام فيها مبني على أصل وهو أن الفلوس الرائجة ليست أثمانا على كل حال عند أبي حنيفة، وأبي يوسف؛ لأنها تتعين بالتعيين في الجملة، وتصير مبيعا بإصلاح العاقدين حتى جاز بيع الفلس بالفلسين بأعيانها عندهما، فأما إذا لم تكن أثمانا مطلقة؛ لاحتمالها التعيين بالتعيين في الجملة في عقود المعاوضات، لم تصلح رأس مال الشركة كسائر العروض وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة، فكانت من الأثمان المطلقة...

(14/ 24)المبسوط لشمس الأئمة السرخسي محمد بن أحمد (ت: 483 هـ) – دار المعرفة

وإذا اشترى الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن، ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود